نظریۂ موت اور قرآن

از مولانا سید ابو النظر رضوی

(۲)

اس سے آپ کو اندازہ ہوا ہو گا کہ تقدیر کے معنی تحدید کے ہیں اور تحدید علمی بھی ہو سکتی ہے اور علمی و فعلی بھی۔ کوئی شک نہیں کہ کائنات کا ہر ذرہ خدا کے علم میں ہے۔ لیکن کیا محض اس بنا پر کہ ہر قانون قانون ساز کے علم میں بھی ہوتا ہے اس کو بجائے قانون علم اور احساسِ ذہنی کہدیا جائے گا۔ قرآن نے صاف بتادیا ہے کہ خدا کا اندازہ ذہنی اندازہ نہیں ہوتا بلکہ وہ اندازہ ہوتا ہے جو موجودات و اشیار میں اندازہ کر دیا گیا ہو یعنی قرآن کی مراد قدر و تقدیر سے اس کا عملی پہلو ہے نہ کہ ذہنی۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ جو حقائق کی ترجمانی میں بہت بلند پایہ رکھتے ہیں الخیر الکثیر ص۲۳ پر تقدیر کے متعلق فرماتے ہیں۔

والتقدیر تقدیران مبرم و معلق اما المعلق فاستعداد کل عین وبحسبہ ینفع الدعاء والتدبیر واما المبرم فاستعداد کل العالم جملۃ واحدۃ وھو لا یتخلف قط۔

تقدیر کی دو قسمیں ہیں۔ مبرم و معلق معلق ہر شخص کی ذاتی استعداد کا نام ہے اور اس ہی کے مطابق دعا اور تدبیر کارگر ہوتی ہے اور مبرم کائنات کی مجموعی استعداد کا نام ہے اور وہ کبھی تبدیل نہیں ہوتی۔

دیکھیے شاہ صاحب تقدیر کی تعریف علمِ الٰہی سے نہیں کرتے بلکہ استعدادات کا ہی دوسرا نام تقدیر رکھتے ہیں خواہ وہ استعدادات طبعی ہوں یا ماحولی یا مشترک۔ جس کے صرف ایک ہی معنی ہو سکتے ہیں کہ طبعی موثرات اور ماحولی اسباب و علل جس نوع کی استعداد بھی قانونِ فطرت کے تحت پیدا کر دیں گے اس ہی کے مطابق نتائج برآمد ہوں گے اور اس ہی کو تقدیر یا قانونِ فطرت کے اسباب و نتائج سے تعبیر

کیا جائے گا۔ شاہ صاحب نے بدور بازغہ صفحہ ۱۱۱ میں تقدیر کے مسئلہ پر جو وجدانی اور عقلی بحث فرمائی ہے وہ بھی ہمارے نظریہ کے خلاف نہیں لیکن چونکہ اس پر روشنی ڈالنے کے لئے دوبارہ بحث کا آغاز کرنا پڑے گا اس لئے اس وقت تک خاموش رہنا چاہتا ہوں جب تک کہ علمی تنقیح کے ذریعہ مجھے مکمل بحث کے لئے مجبور نہ کر دیا جائے

ان تمام دلائل کے ہوتے ہوئے میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ کیوں عام معتقدات کے زیر اثر ہم موت کو غیر اختیاری قرار دیدیں اور یہ تصور کرتے رہیں کہ اس طرح ہم نے اسلام اور اس کے اصولی عقائد کی تبلیغ کر کے بڑے ثواب کا کام کیا ہے۔ اسلام کی تعلیم کو کچھ اس طرح مسخ کر دیا گیا ہے کہ اس کے خلاف قلم اٹھاتے ہوئے ہاتھ کانپنے لگتے اور رعشہ طاری ہو جاتا ہے لیکن حقیقت ہر حال میں حقیقت رہیگی اور اس ہی حقیقت کے بھروسہ پر میرا دعویٰ ہے کہ موت نیند کی طرح اختیاری بھی ہے اور غیر اختیاری بھی۔ سارا الزام تقدیر کے ذمہ رکھکر انسانی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی ہے۔

(۲) موت کے تصور سے بخلاف نیند کے خوف اور رنج پیدا ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ دونوں حقائق باہم کوئی مماثلت اور مشاکلت نہیں رکھتے بلکہ روحِ انسانی موت سے ہرگز لرزہ براندام نہیں ہوتی اگر اُسے کثافیات سے بالاتر اور لطافتوں میں گم کردینے کی فرصت نصیب ہو سکے۔ صحابہؓ کا شوقِ جہاد اور صوفیہ کی طمانیتِ قلب اِس ہی کا نتیجہ تھی ہے اور رہیگی۔ انسانی فطرت کی اگر وہ تمام استعدادات اور قوتیں بیدار ہو جائیں جو قدرت نے اس کے اندر ودلیعت کی تھیں تو با آسانی یہ حقیقت محسوس ہو جائے گی کہ ہستی کا یہ انقلاب اور سعی تخریب تعمیر ارتقا اور ابدیت کے لئے ضروری تھی۔ ترقی انقلابات سے وابستہ ہے۔ اس لئے ابدیت کے مراحل طے کرنے کے لئے موت کے راستہ سے گزرنا ناگزیر ہے بلکہ اس شخص کے لئے جنتِ ارضی کا دوسرا نام ہی جو سمجھتا ہے کہ اگر یہ چیز نہ ہوتی تو حیاتِ ابدی کا کوئی امکان باقی نہ رہتا۔ لیکن جس کے مادی اور کثیف ماحول نے اس کو گردوپیش سے آزاد ہو سکنے کی اجازت نہ دی ہو وہ یقیناً موت کے تصور کو ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہیں کر سکتا۔ موت کا خوف و رنج دراصل اس کثیف ماحول کی آرزو ہے جس نے زندگی کو تاریک بنا دیا ہو۔ ماحول جس قدر آلودگیوں سے لبریز ہوگا موت اسی قدر خوفناک محسوس ہوگی اور جس قدر ماحول کی زائیدہ زندگی لطیف، پاکیزہ اور تابناک ہوگی اس ہی نسبت سے

موت کی تلخیاں بھی کم سے کم تر ہوتی جائیں گی۔ چنانچہ اگر آپ صحابہ، روحانیین اور فلاسفہ یا پست و تاریک طبقہ کے لوگوں کے حالات کا مطالعہ فرمائیں گے تو جو کچھ میں عرض کر رہا ہوں اس کی صداقت کا اعتراف کرنا پڑے گا۔ اس کے معنی کیا ہوئے یہی کہ موت کا خوف تقاضائے فطرت نہیں بلکہ عدم علم، عدم احساس اور عدم لطافت کی وجہ سے ہے۔ جب روحِ انسانی کی استعدادات خوابیدہ ہوجاتی ہیں تو طبیعتِ عنصری کے عوامل و مؤثرات اپنا کام کرنے لگتے اور ہر شکست و ریخت ہر تخریب و انقلاب کو موت ہی کے معنی میں محسوس کرانے ہیں حتیٰ کہ جب یہ تاثرات و انفعال پورے شباب پر آجاتا ہے تو ابدی زندگی تو رہی ایک طرف قوم و ملک کی زندگی کے لئے بھی موت کا مقابلہ کرنا حماقت محسوس ہونے لگتا ہے۔ اور اس طرح قوم کی قوم غلامی کی ٹھوکروں کے سپرد ہوجاتی اور خود زندگی کو موت سے بدتر بنا دیتی ہے۔ اگر موت منطقی طور پر زندگی کا اور تخریب تعمیر کا سبب نہ ہوسکتی تو ملک و قوم کے لئے موت کو پسند کرنا بھی بالکل غیر منطقیانہ بات ہوتی۔ حالانکہ ہمارا مشاہدہ ہے اور تاریخی مشاہدہ کہ موت ہمیشہ زندگی کو اپنے پہلو میں رکھتی ہے۔ موت سے بھاگنا زندگی سے بھاگنا ہے۔ انفرادی موت انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کی زندگی کا باعث ہوتی ہے۔ زندگی کی آرزو کرنے کے لئے موت کی بھی آرزو کرنا ہوگی۔ جب موت ایک نوع کی زندگی اس فانی عالم میں بھی پیدا کرسکتی ہے تو کیا قانونِ قدرت ہی کے تحت قدرتی انقلاب یہاں پر موت سے پیدا ہونے والی زندگی اور منافع سے زیادہ بہتر زندگی اور لذتوں کا باعث نہیں ہوسکتا۔ کیوں؟

بہرحال کثیف ماحول، قوائے عملی کے اضمحلال اور روحانی احساس و شعور کے فقدان سے موت کا خوف پیدا ہوتا ہے۔ اگر ہونے والے انقلاب کے گوناگوں پہلو انسان کی نگاہوں کے سامنے آجائیں تو وہ ہرگز خوف زدہ نہیں ہوسکتا۔ روحانیین نے یہ "سنیما" دیکھ لیا اس لئے وہ خوف نہیں کرتے۔ ہم نے کبھی اپنے گرد و پیش سے باہر اور مادی قوتوں سے بالاتر پرواز کرنے کی کوئی مستقل کوشش نہیں کی اس لئے ہم خوف سے کانپنے لگتے ہیں۔ نیند مادی زندگی کو ایک وقفہ کے لئے ہم سے دور کرتی ہے اور موت ہمیشہ کے لئے اور چونکہ ہم زندگی کی بجائے مادی ماحول سے محبت کرتے ہیں۔ دوسرے موت سے زندگی

پیدا ہو سکنے کا یقین بھی نہیں رکھتے۔ بنا بریں موت نیند کی طرح دلکش اور شیریں نہیں رہتی لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اگر ہماری کمزوریاں، مغالطات اور بدگمانیاں موت اور نیند کے متعلق مختلف احساسات ذہنی پیدا کردیں تو ان دونوں کا باہمی تشابہ بھی غلط ہو جائے اور موت کو گہری نیند سے تعبیر نہ کیا جاسکے۔

مجدد الف ثانیؒ موت اور نیند کی یکساں حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے چنانچہ مکتوبات امام ربانی جلد ثالث صفحہ ۶۰ پر کسی صاحب کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"والمے کہ در خواب در عالم مثال احساس نمودہ می آید صورت وشبح آں عقوبت است کہ ایں آں مستحق گشتہ است واز برائے تنبیہ واین معنی را بروئے ظاہر ساختہ اند وعذابِ قبر ازیں قبیل نیست کہ حقیقت عقوبت است نہ صورت وشبہ عقوبت ونیز المے کہ در خواب احساس نمودہ می آید اگر فرضاً حقیقے ہم داشتہ باشد از قسم الہائے دنیوی خواہد بود وعذابِ قبر از عالم عذابِ اخروی است وشتان بینہما"

چند سطروں کے بعد اس آیت پر بھی بحث فرمائی ہے جس سے موت کا نیند جیسا ہونا ثابت ہوتا ہے فرماتے ہیں۔

عذابِ قبر را در رنگ عذاب خواب دانستن از عدم اطلاع است از صورتِ عذاب وحقیقتِ عذاب ونیز منشا ایں اشتباہ توہم مجانست عذابِ دنیا است بعذاب آخرت وایں باطل است بین البطلان سوال از کریمہ اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا مفہوم می شود کہ توفی الانفس چنانچہ در موت است در خواب است نیز عذاب یکے را از عذابہائے دنیا شمردن وعذابہائے دیگر را از عذابہائے آخرت گفتن بہ کدام وجہ است۔

(جواب) توفی نوم از اں قبیلہ است کہ شخصے از وطنِ مالوفِ خود بہ شوق ورغبت از برائے سیر وتماشا بیروں آید تا فرح وسرور حاصل کند وخرم وشاداں بوطنِ خود باز رجوع نماید وسیر گاہ او عالمِ مثال است کہ متضمن عجائب ملک وملکوت است وتوفی موت نہ چنیں است کہ آنجا ہدم وطنِ مالوف است وتخریب بنائے معمورہ ازیں جا است کہ در توفی نوم محنت وکلفت حاصل نیست بلکہ متضمن فرح وسرور است ودر توفی موت شدت وکلفت است پس

وطن متوفائے نومی دنیا بود و معاملہ کہ باو نمائند از معاملات دنیا باشد و متوفائے موتی بعد از تخریب وطن مالوف خود انتقال بآخرت نمودہ است و معاملہ با او از معاملات اخروی گشتہ من مات فقد قامت قیامتہٗ شنیدہ باشد۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جس بنیادی او رعام غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے یہ مکتوب تحریر فرمایا ہے اس کے خلاف کسی شخص کو مجال دم زدن نہیں ہو سکتی۔ ہیبت ناک خواب اور عذابِ قبر میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ لذت والم کا جس حد تک احساس وشعور موجودہ زندگی میں ممکن ہے آئندہ زندگی میں اس سے کہیں زیادہ ہوگا۔ احساس وشعور کی لطافت، قوت اور گہرائی مادی کثافتوں میں اتنی مضمحل ہو چکی ہے کہ ہم ان کی اصل قوت کا اندازہ ہی نہیں کر سکتے اور اگر اندازہ کریں گے تو غلط در غلط ہوگا۔ اس ہی چیز کو مجدد صاحبؒ نے بھی بیان فرمایا ہے تاکہ ایسے حضرات جو ہنوز روحانی مراحل طے کر رہے ہیں یا ان سے یکسر غافل ہیں۔ مغالطات کے سپرد ہو کر شاہراہ سے علیحدہ نہ ہو جائیں کیونکہ خطِ مستقیم سے معمولی انحراف بھی دوزخ تک پہنچا دیتا ہے لیکن میں اس سلسلہ میں بصد ادب کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے تو یہ کہ "یتوفی الانفس والی آیت کے سلسلہ میں مجدد صاحبؒ نے جو "توفی انفس چنانچہ درموت است درخواب است" کا انکاری جواب دیا ہے وہ بتاتا ہے کہ نوم اور رویا کے فروق شاید اس وقت ملحوظِ خاطر نہ ہوں گے ورنہ سائل کی غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے بتایا جا سکتا تھا کہ اس آیت کو صور مثالیہ کے ذریعہ خواب یا عالمِ قبر میں لذت والم کا باعث ہونے سے کچھ واسطہ نہیں۔ تذکرہ موت اور نوم کا ہے نہ کہ نوم اور رؤیا رکا۔ نوم جسمانی تغیرات ونتائج کا نام ہے اور رؤیا تخیلی اثر پذیریوں کا خود قرآن نے بھی ان فروق کا لحاظ رکھا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے۔

قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ　　کہا اے میرے بیٹے میں نے سوتے میں دیکھا ہے۔

منام ظرف ہے اور رویت مظروف دونوں الگ الگ چیزیں ہیں واقعہ معراج کے سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

وما جعلنا الرؤیا التی اریناک ہم نے جو کچھ تمہیں (بیداری کے) خواب میں دکھایا
الا فتنۃ للناس وہ لوگوں کی آزمائش کے لئے تھا۔

یہاں رویت کو براہِ راست رویا سے وابستہ کر دیا گیا گویا کہ ان دونوں میں اضافات کی کوئی بیگانگی نہیں پائی جاتی اردو میں نوم کا ترجمہ سونے سے کرنا چاہیئے اور رؤیا کا خواب سے۔

پھر یہ سوال کس طرح پیدا ہو سکتا ہے کہ چونکہ موت اور نیند کے جسمانی تغیرات یکساں ہوتے ہیں اس لئے خواب اور عالمِ قبر کی صورِ مثالیہ بھی باہم دگر یکساں ہو گئیں۔ رؤیا کہنے کی صورت میں یہ سوال ہو سکتا تھا، نوم کے متعلق نہیں ہو سکتا۔ مغالطۂ عوام کی حد تک ایسی غلط فہمی کا ضرور امکان تھا اور ہے کیونکہ وہ خواب کو سونے کی حالت اور خواب دیکھنے دونوں پر بے باکانہ استعمال کر سکتے اور فریب خوردگی میں مبتلا ہو سکتے ہیں اگر مجدد صاحب اس نکتہ کی وضاحت فرما دیتے تو سوال اپنی موت خود ہی مر جاتا چاہے اس کے بعد مزید طمانیتِ خاطر کے لئے خواب و عالمِ قبر کے تشابہ اور عدم تشابہ کی بحث چھیڑ دی جاتی

دوسری چیز عالمِ قبر میں صورت و شبہ عقوبت کی بجائے حقیقت عقوبت کا اثبات و نفی ہے مجدد صاحبؒ نے جو کچھ فرمایا ہے اس کی صداقت میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ عوام ان حقائق کو صحیح معنی میں محسوس نہیں کر سکتے بلکہ شاید یہ کہنا بھی درست ہوگا کہ خواص میں بھی قدرت چند ہی لوگ ایسے پیدا کیا کرتی ہے جو حقائق کی نہ صرف تفصیل سے خود واقف ہوں بلکہ ایک حد تک سمجھا بھی سکتے ہوں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ مجدد صاحبؒ حقائق کی ترجمانی میں کہاں تک کامیاب تھے کیونکہ انھوں نے ایسے مسائل کو فتنہ کے خوف سے اکثر ظاہر نہیں فرمایا لیکن یہاں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کو اس بارے میں جو ملکہ، ید طولیٰ اور فوقیت حاصل ہے اس کا جواب تصوف کی تاریخ میں بہت ہی کم ملے گا حتیٰ کہ شاہ اسمٰعیل صاحبؒ جو "عبقات" جیسی بہتر کتاب کے مصنف ہیں، وہ بھی غالباً اس حضرتِ الٰہیہ تک رسائی حاصل نہیں کر سکے تھے جو شاہ صاحب موصوف کو حاصل تھی۔

زیرِ بحث مسئلہ ایک پیچیدہ اور نازک مسئلہ ہے کیونکہ ایک طرف موت کے بعد روح اور نسمہ کے پہلو میں جو کچھ باقی رہ جاتا ہے وہ حسِ مشترک یا بالفاظ دیگر قوتِ متخیلہ کے سوا کچھ نہیں۔ دوزخ

اور جنت اگر لطیف یا کثیف مادہ ہی سے کیوں نہ تیار کی گئی ہوں لیکن بہرکیف حشر سے پیشتر ان تک رسائی نہیں ہوسکتی اور حشر سے پہلے کسی دوزخ وجنّت کا ثبوت نہیں ملتا ایسی حالت میں اگر عالمِ قبر میں کوئی اذیت ہوگی تو مادی قسم کی نہیں ہوسکتی۔ لازماً تخئیلی نوع کی ہوگی اور دوسری طرف تخئیلی لذت والم کا انسان کو جو تجربہ ہے وہ خواب کے سوا بیداری سے بہت ہی کم منسوب کیا جاسکے گا اور خواب کے لذت والم کی عدم اہمیت سے کون واقف نہیں اب اگر تخئیلی نہیں کہا جاتا تو مشکل ہے اور تخئیلی کہا جاتا ہے تو مصیبت ع

دوگونہ رنج وعذاب است جانِ مجنوں را

ایسے نازک مسئلہ کو سلجھانا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ شاہ صاحب موصوف نے اس خارزار میں قدم رکھا ہے اور اس طرح نکل گئے ہیں کہ ایک کانٹا بھی نہ چبھ سکا وہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ عالم قبر صورت وشبہ عذاب نہیں لیکن بتاتے اس طرح ہیں کہ شبہ عذاب اور حقیقتِ عذاب تسلیم کرنے والے دونوں طبقے مطمئن ہوسکیں۔

فلا یتفطن فی المنام اندرف یا استغراق گہری نیند کی وجہ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ خواب ہے
فیہا بل یجزم بانہ عالم خارجی و بلکہ وہ یقین رکھتا ہے کہ یہ بھی ایک مادی دنیا ہے اس
ارضہ ہو الارض و سماؤہ ہو السماء کی زمین بھی وہی زمین ہے اور اس کا آسمان بھی وہی
فاذا وقعت الدفاقتہ تفطن بانہ (اس جیسا نہیں) آسمان لیکن جب وہ بیدار ہوتا ہے
عالم ماسوی العالم المحسوس الخارج تو سمجھتا ہے کہ یہ ہماری دنیا سے الگ دنیا تھی مگر اس دنیا
کمثل ہذا العالم وعسیٰ ان یکون ہی کی طرح موجود ومحسوس اور بہت ممکن ہے کہ اس کو
تسمیتہ عالما علی حدۃ حقیقتہ عرفیتہ علیحدہ دنیا کہنا ایک ایسی عرفی حقیقت ہو جسے علوم نسمہ
متعانقہ با العلوم النسمہ وتسمیتہ (روح حیوانی کے حواس وقوائے باطنہ) سے وابستہ کہا
خیالا لغتہ برھانیتہ ہذا فی الرؤیا جاسکے اور اس کو خیال کے نام سے یاد کرنا علمی اصطلاح
فما ظنک بمن انتقل الی العالم الموجود کی بنا پر ہو یہ خواب (جیسی بے حقیقت چیز کا) حال ہے

فی فلک المعنوی وغلب علیہ الحس	ایسی حالت میں آپ اس شخص کے بارے میں کیا رائے قائم
المشترک فی کل امر یشبہ ذٰلک وترشح	کریں گے جو روحانی مستقر میں ایک واقعی وجود رکھنے والے عالم
علیہ العلوم الحقۃ فھٰذا عالم	کی طرف جا رہا ہو اور اس پر حِس مشترک کا بھی غلبہ ہو گیا ہو اور تخیلی
یعامل فیہ معاملۃ المنام	استیلاء کے تحت ہر چیز اس کو تمثیلی نظر آئے اور علوم حقہ (یعنی
والرؤیا الا ان رؤیا لا	اور غیبی) کی بھی اس پر تراوش ہو رہی ہو یہی وہ دنیا ہے
یقظۃ بعدھا یحق ان	جس میں سونے اور خواب دیکھنے والے کی طرح معاملات
یسمی بعالم ینتقل الیہ	پیش آتے ہیں سوائے اس فرق کے کہ اس خواب کے بعد
بعد الحیوۃ الدنیا ویسمی	بیداری نہیں یقیناً اسے ایک دوسرا عالم ہی کہنا چاہئے
بعالم القبر فی لغۃ الانبیاء	جس میں زندگی بسر کرنے کے بعد مرنیوالا منتقل ہو جاتا ہے اور
[1]	جسے انبیاء کی زبان میں عالم قبر کہتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ تفصیل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

وکل ذٰلک حقیقۃ لیس بمجاز و	عالم قبر کے یہ تمام صور و اشکال حقیقی ہیں مجازی نہیں، نہ
لا شبیہ لامور المعنویۃ الحسیۃ بل	ذہنی حقائق کے محسوسات کے ذریعہ تمثیل بلکہ زندگی
تعبیر عرفی لتلک الوقائع و	کے واقعات کی ایک عرفی تعبیر ہیں جو علم حاصل ہو جانے پر
ھو الذی یتعین منہ التعلیم[2]	ایک حقیقت محسوس ہونے لگتے ہیں۔

لیکن جب تک تعبیر عرفی اور حقیقتِ عرفی کا مفہوم واضح نہ کر دیا جائے پورا پورا لطف نہیں آسکتا اس لئے شاہ صاحبؒ ہی کی توضیح پیش کرتا ہوں مثلاً اگر کسی شخص پر خلطِ صفراوی کا غلبہ ہو جائے تو وہ اس کو علاماتِ صفرا کے ذریعہ اس طرح بیان کرے گا درد سر ہے، پیاس ہے، بخار ہے وغیرہ اور اگر ان علامات کو ایک طبیب کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ صرف اتنا بتائے گا کہ خلطِ صفرا کا غلبہ ہے۔ طبیب نے علامات سے جو نتیجہ نکالا وہ حقیقت اور اصلی سبب ہے اور عوام جن علامات کے ذریعہ غلبۂ اخلاط محسوس

[1] البدور البازغہ ص ۱۴۵۔ [2] ایضاً ص ۱۵۰

کرنے اور سمجھتے ہیں وہ تعبیر عرفی یا حقیقت عرفی ہے تمثیل و تشبیہ نہیں علامات مرض تمثیل نہیں ہوتیں بلکہ ایک عرفی حقیقت ہوتی ہیں۔ ایسے ہی عالم قبر میں جو کچھ ہوگا وہ تمثیل نہ ہوگی بلکہ حقیقت ہوگی لیکن عرفی حقیقت جسے غلط فہمی سے تمثیل کہہ دیا جاتا ہے شاہ صاحبؒ اس حقیقت کے منکر نہیں بلکہ اس کو تمثیل کی بجائے علامت، فائدہ اور نتیجہ بتاتے ہیں چنانچہ آپ کو اس چیز کا اندازہ شاہ صاحبؒ کی حسب ذیل عبارتوں سے ہو جائیگا

ومن العجائب فی تلک الدار الجلیلۃ	اس فیصلہ کے روز جو عجائبات ہوں گے ان میں
الشأن منزل یوم الدین ان الرجل	سے ایک یہ ہے کہ اگر ایک ہی آدمی نے بہت
الواحد اذا کان ذا مظالم کثیرۃ یکون	سے ظلم کئے ہیں تو وہ تمام مظالم نزدیک و دور
بعد د تلک المظالم متجسد عندھذا	جسمانی اشکال میں نظر آئیں گے اور وہ اپنے اندر
وعند ذالک وھو فی نفسہٖ متألم بجمیع الآلام[1]	تمام اذیتیں محسوس کرے گا۔

شاہ صاحبؒ اعمال کی ان صورتوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے جو انھوں نے صحف مجردہ میں منطبع دیکھی تھیں فرماتے ہیں۔

الصلوٰۃ تفید حوراً جمیلۃ وقصوراً	نماز کا فائدہ اور نتیجہ خوبصورت حور اور فلک پیما
شاھقۃ وذلک لان الصلوٰۃ لما حققت	محلات ہیں اور یہ اس لئے کہ نماز کے دو پہلو ہیں
فی صورتھا المنطبقۃ فی الصحف	جیسا کہ میں نے اوراق روحانی میں اس کی تصویر
وجدت لھا شعبتین الاولی ھیئۃ	دیکھی ہے پہلی انسانی شکل ہے جو سمہ تن انکساری سے
انسانیۃ انتزعت من الخشوع المنبجسۃ	پیدا ہوتی ہے اور اسی سے حور و غلماں ہیں۔
فی شراشر البدن ومنھا الحور والغلمان	دوسری احاطہ کرنے والی ہیئت اجتماعی ہے
الثانیۃ منھا ھیئۃ جمعیۃ احاطیۃ انتزعت	جو قیام، قعود، رکوع، سجود سے برآمد ہوتی ہے
من القیام والقعود والرکوع والسجود ومنھا	اور اسی سے بلند محلات اور وسیع و خوشنما
القصور الشاھقۃ والحدائق الرائعۃ[2]	باغات ہیں۔

---

[1] الخیر الکثیر ص ۱۱۴ - [2] ایضاً ص ۱۱۶ -

ایک دوسری جگہ بھی شاہ صاحبؒ نے الخیر الکثیر صفحہ ۱۱۱ پر عالمِ قبر اور عالمِ حشر میں جو امتیاز و فرق بتایا ہے وہ بھی بتاتا ہے کہ عالمِ قبر کا عذاب تخیلی، وجدانی اور ذوقی ہوگا۔ فرماتے ہیں۔

واعلمن ان الناس فی نشأۃ القبر	قبر کی زندگی میں لوگ اپنے اخلاق و ملکات کے
مسئولون عن اخلاقھم وملکاتھم	اعتبار سے ذمہ دار اور جواب دہ ہوں گے اور
وفی نشأۃ الحساب مسئولون عن	حشر کی زندگی میں ان سے ان کے عقائد و اعمال
اعمالھم وعقائدھم۔	کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

عقائد تِ اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور اعمال کا نتیجہ ملکات ہیں۔ عالمِ قبر میں نتائج و تاثرات کے متعلق دریافت کرنا اور انھیں کے مطابق جزا و سزا مقرر کرنا اور عالمِ حشر میں بنیادی اسباب و علل کے بارے میں سوال کرنا بتا رہا ہے کہ عالمِ حشر کے مقابلہ پر عالمِ قبر کس قدر تمثیلی اور تخیلی انداز لئے ہوئے ہے مجدد صاحب جس حقیقت سے یکسر انکار کر رہے ہیں شاہ صاحبؒ نے اس ہی حقیقت کا اس طرح اقرار کیا ہے کہ انکار کا تصور ہی نہ پیدا ہوسکے۔

جہانتک مجھے انتہائی سکون و طمانیت کے ساتھ غور کرنے کا موقع مل سکا ہے اس حد تک مجھے یہ عرض کرنے کا حق ہونا چاہئے کہ عالمِ قبر کا لذت و الم تمثیلی اور تخیلی ضرور ہوگا لیکن ہمارے موجودہ حواس، تمثیلی استعداد اور احساسات کو برزخی ادراکات و احساسات سے فعل و انفعال کے اعتبار سے کوئی نسبت نہ ہوگی۔ مادہ کی ظلماتی کثافتوں نے ہماری قوتوں، احساسات اور تاثرات کو یہاں تک حجاب در حجاب اور پردہ بہ پردہ کردیا ہے کہ روحانی احساس کی حقیقی لذت و الم اور اس کی اثر انگیزیوں کا ہم کوئی اندازہ نہیں کرسکتے اور یہ کوئی ایسی حقیقت نہیں جس کے تجربات ہماری زندگی میں موجود نہ ہوں، ایک علمی نکتہ، نازک تحقیق اور عقلی سنجیدگی کا حل علمی انسان کے ریشہ ریشہ میں جو لذت و شیرینی جذب کرسکتا ہے ایک جاہل اس کا تصور کرسکنے سے بھی ہمیشہ عاجز رہے گا۔ ایک جذباتِ محبت سے بھرا ہوا دل، دزدیدہ فگن تغافل ناز و انداز، کم نگہی، دلنوازی، پیمانِ وفا اور رقیب پرستی غرض یہ کہ شباب و حسن کے ہر پہلو سے جو لذت و الم محسوس کرتا ہے کیا اس کے چند برق پارے بھی ایک معمولی انسان کے ضمیر میں ودیعت کئے گئے

ہیں۔ ایک ڈکٹیٹر کو فوجی مظاہرات، ایک جنرل کو فتح و شکست، ایک بادشاہ کو مطلق العنانی، ایک متمدن انسان کو مناظرِ خواب کی گوناگونی سے، ایک لیڈر کو قید و بند اور قتل و خون سے جو لذت والم کے شرارے نصیب ہوتے ہیں کیا کسی دوسرے شخص کے لئے جو ان حقائق کا لذت آشنا نہ ہو کوئی امکان ہے ایک حساس طبیعت جن جزئی شکایات کے دور رس نتائج کو محسوس کر کے کشمکشِ پیہم کے سپرد ہو جاتی ہے کیا عام لوگوں سے اس کی توقع کی جا سکتی ہے۔

جب ہماری موجودہ زندگی میں ہی مختلف اشخاص کے درمیان اس درجہ احساس و تاثر میں تفاوت ہے تو وہ زندگی جہاں ہر قوتِ عمل اور ہر استعدادِ تاثر ارتقا پذیر رفتہ ہو کر لطافتِ تاثر کی گہرائی اور ہر بلندی تک پہنچ چکی ہوگی۔ اگر اسے ہماری موجودہ زندگی کی سطحیت سے کوئی مناسبت نہ ہو، یہاں کا لذت و الم مضحکہ اور اس عالم کی دوزخ و جنت ایک حقیقت ہو تو کیا تعجب ہے اگر اس نوع کے حقائق کو "لاخطر علی قلب بشر" کہدیا جائے تو اسے ہرگز شاعرانہ مبالغہ نہیں کہہ سکتے۔ یہ حقیقت ہے مگر ایسی حقیقت جس کی اہمیت ہر معمولی دل و دماغ کا آدمی محسوس نہیں کر سکتا اور یہی نکتہ تھا جس کی وجہ سے مجدد صاحبؒ کو تبلیغی سعی و جدوجہد کرتے ہوئے انکار و نفی کا راستہ اختیار کرنا پڑا۔ دوسرے مجدد صاحبؒ کے نزدیک خود ہماری یہ دنیا بھی جس کو ہم حقیقی، ٹھوس اور یقینی خیال کرتے ہیں ایک وہم و خیال سے زیادہ کچھ نہیں بقول غالب۔

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسد ❊ عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

مکتوبات جلد ثالث صفحہ ۱۰۱ پر "فقیر آں مہتد گشتہ" کے ساتھ روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"وغایت ما فی الباب نمود وہمی را نمود خارجی می نگارند در رنگ آں کہ صور مثالیہ را در عالم مثال در یقظہ بہ حسِ باطن می بینند و خیال کنند کہ آں در عالمِ شہادت و حسِ ظاہری می بینند"

چند صفحات کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔

"انچہ مکشوف و معتقد ایں فقیر است آں است کہ ایں عرصہ عرصہ وہم است و ایں صور و اشکال کہ در آں عرصہ است صور و اشکال ممکنات است کہ بہ صنع خداوندی جل سلطانہ در مرتبۂ

حس و وہم ثبوتے پیدا کردہ است و اتقان یافتہ۔

جب حال یہ ہو تو ہمارا نظریہ حقیقت پر بحث کرنا ہی ان کے نزدیک غلط ہوگا لیکن مجدد صاحبؒ کے اس نظریہ ہی کے تحت یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ عالم قبر بھی عالم حشر پھر عالم خلد و جہنم اور پھر عالم تجلیاتؑ انجذابات کے مقابلہ پر ایک وہم و تخیل سے زیادہ نہ ہوگا خواہ ہماری جہات مادی کی بہ نسبت کتنا ہی حقیقی اور اعتباری کیوں نہ ہو کیونکہ مرکزی نقطۂ حقیقت "پردہ بر پردہ نہاں" ہے اور وہ دوسرے ہی قدم پر اپنے تمام راز کا افشا گوارا نہیں کر سکتا۔ لہذا یہ دنیا بھی خیال ہوئی اور قبر کی دنیا بھی ایک خیال اگرچہ مدارج کا فرق رہا۔ یہی حقیقت شاہ صاحبؒ موصوف نے بیان فرمائی تھی لہذا نتیجہ یہی نکلا کہ موت کے بعد بھی ایک خواب ہی کی دنیا ہوگی۔ خواہ اس کی واقعیت زیادہ معتبر اور وہاں کا لذت و الم ہر اندازہ سے زیادہ کیوں نہ ہو۔ خود مجدد صاحبؒ بھی جلد ثالث صفحہ ۶۸ پر حس و حرکت کے فقدان اور صرف بقائے احساس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں "پس حیات برزخ گوئیا نصف حیات دنیوی است" جس کے بعد میرے نظریہ کی صداقت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔

جب یہ معاملہ ہے تو موت سے خوف کو جائز خوف سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ بہت سے بہت یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے مادی ماحول نے جسمانی لذات میں اتنا غرق کر دیا ہے کہ ہم اس سے بالاتر زندگی کا تصور کرنے کے قابل ہی نہیں رہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ قابلیت تو ہے لیکن استعداد کو بیدار کرنے کی جرأت ہی زخم خوردہ ہو کر رہ گئی اور یوں ہم موت سے لرزہ براندام ہوتے ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان کا ماحول اور اس کی لذات بھی صرف کثیف جسمانیت ہی سے وابستہ نہیں بلکہ زیادہ تر لطیف ترین جسمانیت یا ان لطافتوں سے ہی معانقہ کرتی ہیں جو مادہ سے خلق ہو کر بڑی حد تک غیر مادی یا تخیلی ہو گئی ہیں۔ جمیل تصورات، اخلاقیات، علمیات، عقلیات، وجدانیات توہمات وغیرہ اس ہی نوع میں داخل ہیں بلکہ میرے نزدیک خود عالم خواب کی شیرینیاں جسمانیت سے خلاف کھلا ہوا چیلنج ہیں اور تخیلی حقائق کی ناقابلِ انکار اہمیت کی تائید ہیں۔ حواس باطنہ سے ہماری لذت و الم کو اس درجہ وابستگی ہے کہ اگر زندگی سے تخیل کو علیحدہ کر دیا جائے تو جنتِ ارضی دوزخ کی

آتشیں فضائیں تبدیل ہو جائے گی اور دوزخ حیات جنت میں یا یوں کہئے کہ دونوں میں کوئی معنی نہ رہیں گے

لیکن اس " وبائی مالیخولیا " کا کیا علاج جو توارث کے ذریعہ خوفِ مرگ کی مسلسل تبلیغ کر رہا ہے۔ اس پروپیگنڈا نے ہر فکری اور وجدانی قوت کو سلب کر کے موت کو " اہرمن " بنا دیا اور ہر پیشانی کو اس کی دہلیز پر سجدہ ریز۔ اس کائنات کا وہ سب سے بڑا بت جس کی دنیا پرستش کرتی ہے موت کے سوا کچھ نہیں۔ ہر بار وکثردم اور ہر برگ و ذرہ کی پرستش موت کے خوف سے کی جاتی ہے اور موت بھی کونسی حیاتِ مادی کی زائیدہ ورنہ مغرور انسان کی گردن کسی پُر عظمت سے پُر عظمت جاہ وجلال کے سامنے بھی نہ جھک سکتی تھی۔ کاش اس کی یہ غلط فہمی دور ہو سکتی کہ زندہ خدا کی مخلوق فنا ہو سکتی ہے۔ موت فنا قرآن کے نزدیک بھی نظامِ ہستی کے شکست وریخت اور ہر طاقت فرمانروائی کا ختم ہو جانا ہے نہ کہ ہر وجود کی مطلقاً فنائیت۔ بلکہ میرا دعویٰ تو یہ ہے کہ نہ قرآن کسی ایک مادی ذرہ کے فنائے محض کا مدعی نہ محققین اور صوفیا۔ اس نے جو کائنات پیدا کر دی ہے وہ انقلاب در انقلاب سے تو گذر سکتی اور کچھ کی کچھ ہو سکتی ہے لیکن خود قانونِ الٰہی کے تحت اس معنی میں فنا نہیں ہو سکتی کہ کسی رنگ اور کسی اعتبار سے بھی کچھ نہ رہے ؎

بیا ور یدگراں جا بود سخندانی

بہر حال اس تفصیلی گفتگو کے بعد آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ موت ایک قسم کی نیند ہے اور نیند یا اس کے گونا گوں خوابوں سے اس ہی حد تک خوف کرنا چاہئے جس تک آپ اپنے اعمال وحرکات کے نتائج سے خوف زدہ ہو سکتے ہیں۔ جب زندگی کے حواس خمسہ اور اس کے تمام احساسات لذت والم زندہ رہیں گے تو موت کو یکسر فنا ہو جانے کے مترادف خیال کرتے ہوئے بے ربطیٔ اجزائے حواس کی نمائش نہیں کرنا چاہئے۔ جس طرح بیداری کے زائیدہ تصورات اور ماحولی موثرات نیند کے ذریعہ قوت متخیلہ کو بیدار اور قوی کر کے خواب ورؤیا کی تخلیق کرتے اور کر سکتے ہیں ایسے ہی زندگی کے تمام اخلاق ذہنی اور نفسیاتی حقائق موت پر موجودہ زندگی سے بھی زیادہ حقیقی وجود رکھنے والے خواب دکھائیں گے اور دکھا سکتے ہیں۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ دنیا کا ہر عمل دنیا ہی میں تحلیل ہو کر فنا ہو گیا لہذا اس کے نتیجہ میں لذت والم کے امکانات کیونکر پیدا ہو سکتے ہیں حالانکہ اگر ہم شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی صرف اس حقیقت آفرینی پر بھروسہ نہ بھی کریں کہ "وجود ذہنی کا عالم ورار الذہن ایک مستقل عالم ہے اور

وشأن الصحف ان یحفظ فیہا بجزاء کل قول وفعل صدر من الانسان صورۃ تبدی فیہا جہات نشأۃ الاخرویۃ[۵۱]

صحف مجردہ میں ہر قول و فعل جو انسان سے سرزد ہوتا ہے ایک تصویر حیاتِ ثانوی کی گوناگوں اعتبارات کے مطابق کھنچ جاتی ہے۔

بالجملہ فلما نشأ ھذا العالم الحادث نشأ بضرورتہا عالم مجرد وبازائہ ینحفظ فیہا اعمالہم واخلاقہم وھذہ المسئلۃ رکن عظیم من ارکان التکوینات والناس عنہا فی غفلۃ عریضۃ. وان اردت کشف السر فاعلمن انہ لا بد من عالم ھو ظرف حافظ لاعمال الناس مجردًا او کالمجرد۔[۵۲]

خلاصہ یہ کہ جب یہ فانی دنیا پیدا ہوئی تو اس کی طبعی احتیاج دور کرنے کے لئے اس ہی کے مقابلہ پر ایک غیر مادی دنیا پیدا کی گئی جس میں کائناتِ انسانی کے اعمال و اخلاق محفوظ رکھے جاتے ہیں یہ بات علمِ تخلیق حقائق میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے حالانکہ لوگ اس سے بہت زیادہ غافل ہیں اور اگر آپ راز کھولنا چاہتے ہیں تو معلوم ہونا چاہئے کہ ایک ایسے عالم کا ہونا ضروری ہے جس میں تمام اعمال محفوظ رہیں خواہ وہ عالم مجرد ہو یا مجردات جیسا لطیف"

جیسے حقائق و علوم کو بھی فہم و ادراک سے بالاتر سمجھ کر درخورِ اعتنا قرار نہ دیں اور امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے اس بیان کشف کو جو انھوں نے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے اس کشف کی توضیح کرتے ہوئے کہ حضرت آدمؑ سے پیشتر نہ معلوم کتنے آدم پیدا ہو چکے ہیں اور اس دنیا میں انسان کی تخلیق آج سے ستر ہزار برس پہلے ہوئی تھی باین الفاظ سپردِ قلم کیا ہے۔

---

[۵۱] الخیر الکثیر ص ۴۴۔ [۵۲] ایضاً ۴۹۔

"ایں فقیر دریں باب نظر را در دور فرستادہ و تعمق بسیار نمودہ در عالم شہادت آدم دیگر بہ نظر نیامد و غیر از شعبہ ہائے عالم مثال نہ یافتہ۔"

اور جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ماضی کا ہر وہ انقلاب اور دورِ تغیر جو اس کائناتِ ارضی کی تخلیق سے اس وقت تک گذر چکا تھا ورق ورق کر کے مجدد صاحب کے سامنے آتا رہا اور وہ زمانہ کی ہر کروٹ میں حضرت آدمؑ کے علاوہ دوسرے آدمؑ کو تلاش کرتے رہے لیکن کائنات کے کسی گوشہ اور فلمی ریل کے کسی پہلو میں اس کا نشان نہ مل سکا۔ اگر ہم باوجود انھیں پاک فطرت، بربطِ حق و صداقت کا نغمۂ آزادِ حسِ بصیرت کا آئینہ دار، علوئے ذہنی کے اہم ارتقائی محاسن کا لذت شناس اور ہر گونہ حقائق سے آشنا سمجھنے کے اس گواہی کو معتبر اور اس بیان کو اپنی بے بصیرتی سے مجبور ہو کر "شبہۃ من الجنون" سے تعبیر کرنے کی جرأت کر سکیں تو زندگی اور اس کے پیہم تجربات و مشاہدات ہی آپ کو یقین دلا سکتے ہیں کہ اس کائنات کا نہ صرف ایک ذرہ، نہ صرف ایک آواز، نہ صرف عکوس و ظلال بلکہ کوئی تصور اور کوئی جنبشِ عمل بھی فنا نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے۔ مژۂ حیات کا ہر کشاد و بند ایک پایندہ حقیقت ہے جسے فراموش کر دینا ذہنِ انسان کی کمزوریوں میں اضافہ تو کر سکتا ہے لیکن کسی حقیقتِ ثابتہ کو فنا پذیری سے قریب تر نہیں کر سکتا۔

ریڈیو کی ایجاد آپ کو بتائیگی کہ مشرق و مغرب کا کوئی صوتی تموج ایسا نہیں جو کائنات کی ہر فضا میں انچ کے ہر قابلِ تجزیہ فاصلہ پر دیگر تموجات سے متصادم ہوتے ہوئے بھی نہ پھیل جاتا ہو اگر یہ صدہا تصادمات ایک تموج کو فنا نہ کر سکے تو پھر اس تموج کو کونسی چیز تحلیل کر سکے گی۔ اس ہی وجہ سے اہلِ سائنس کا نظریہ ہے کہ ہر وہ آواز جو کائنات میں ایک مرتبہ گونج چکی ہے اگر ہمارے پاس نازک ترین احساس رکھنے والے آلات ہوں تو ہم ہزارہا سال پیشتر کے ہر صوتی تموج کو سن سکتے اور پہلے تمدن کی ہر گفتگو، ہر زبان کا علم حاصل کر سکتے ہیں۔

ٹیلی وژن کی ایجاد بتاتی ہے کہ ہر عکس فضا کی لہروں میں جذب ہو جاتا ہے اور اس لئے ہزاروں میل پر ہم اُن تمام حرکات و سکنات کو برائی العین دیکھ سکتے ہیں جو کسی دوسری جگہ کی جاری ہوں۔ چند ہی روز

ہوتے ہیں ایک کرکیٹ میچ کا پورا منظر دنیا کو دکھا سکنے میں کامیابی حاصل کی گئی ہے اور نہیں کہا جا سکتا کہ یہ عکس جو ایک مرتبہ کہربائی لہروں کی آغوش میں پہنچ چکا دوسرے ہی لمحہ میں ان کی سمیں آغوش سے باہر آگیا تھا

انسان اپنے خیالات و اعمال سے جو نقوش ذہنی جذب کرتا ہے وہ اگرچہ بظاہر ہر طلوع صبح اور غروب آفتاب پر محو ہو جاتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان نقوش کا ہر سالمہ نہ صرف زندہ رہتا بلکہ اس طرح عمل کرتا رہتا ہے کہ پوری زندگی انھیں کا تاثر اور ان ہی کا جواب ہو کر رہ جاتی ہے اور ہمیں کسی لمحہ میں بھی اس حقیقت کا احساس نہیں ہوتا کہ ہم آج جو کچھ کر رہے ہیں وہ کون سے ادراکات و تصورات اور کون سے محرکات و موثرات کا نتیجہ ہے اگر ہر عمل اور اس کا اثر و تاثر فنا ہو جانے والی حقیقت ہوتی تو انفرادی زندگی کے مختلف لمحات میں کوئی یگانگت، اقوام وس کی تاریخ، ان کی سیرت اور ان کے خصائص میں کوئی ربط اور کوئی مناسبت نہ پائی جاتی۔ اگر ہر عمل کا مستقل وجود اور اس وجود میں کوئی عملی طاقت نہ ہوتی تو نہ عمل کا ردِ عمل ہوتا نہ اس کی محاکات۔ کوئی مقناطیسی کشش ضرور ایسی ہے جو محاکات یا ردِ عمل کے مضمرات کو بیدار کرتی ہے دوسرے اگر عمل فنا ہو جایا کرتا اور ایک عمل سے دوسرے عمل کی تخلیق کے درمیان تکوینی ربط نہ ہوتا تو کوئی عمل بھی عمل در عمل پیدا کرتے ہوئے نتیجہ تک نہیں پہنچا سکتا تھا۔ آخر وہ کیا چیز کہ جس نے عمل اور نتیجہ میں ربط پیدا کر دیا۔ عمل اور نتیجہ بظاہر دو الگ الگ حقیقتیں ہیں عمل "کاہ کندن" اور نتیجہ "نان خوردن" پھر یہ دونوں چیزیں آخر کس زنجیر میں جکڑی ہوئی ہیں اگر عمل میں کسی نوع کی طاقت اور کسی نوع کی کشش نہ ہوتی تو نہ عمل ماحول پر اثر انداز ہو سکتا نہ ماحول کے احتیاجات تاثر کے تحت کسی دوسرے عمل کو پیدا کرتے یہ غیر متناہی سلسلہ جو عمل اور ماحول کے درمیان جاری ہے بغیر کسی علتِ فاعلی اور بغیر کسی ربط و کشش اور غیر محسوس طاقت کے ممکن نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ عمل ایک طاقت ہے جو کائنات کے ہر مادی اور ذہنی پہلو پر اثر انداز اور انقلاب و تغیر کا باعث ہوتی ہے نہ کہ ذہنی تصور۔ جب کائنات اور اس کی ہر طاقت فنا ہونے والی نہیں تو عمل اور اس کا بے پناہ برقاطیسی جذب و انجذاب کس طرح فنا ہو سکتا تھا۔ اگر آپ کی قوت متخیلہ ایک قوت ہو سکتی ہے تو عمل اور اس کے اثرات و نتائج کا ادراک و احساس رکھنے کے باوجود آپ کیونکر اس کو

قوت کا نام دینے سے گریز کرسکتے اور ایک فرضی حقیقت قرار دے سکتے ہیں۔

عمل کیا چیز ہے؟ قوتِ متخیلہ اور ارادیہ کا وجود خارجی اور اس کا مظاہرہ اگر قوتِ متخیلہ نیند کی حالت میں حس وحرکت کے فقدان پر بھی زندہ رہ سکتی ہے تو عمل کو کیونکر موت آئے گی۔ اگر آواز کا تموج ایک زندہ اور پائیدار تموج ہوسکتا ہے تو عمل کے تموج اور انقلاب کو کس طرح لمحاتی تموج کہنے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جو عمل بھی ایک مرتبہ اس کائنات کی فضا میں سانس لینے کی اجازت پاچکا ہے وہ آج تک روز وشب کے ہر لمحہ اور ہر ثانیہ میں زندہ طاقت کی طرح مسلسل عمل کررہا ہے کونسا نیک وبد عمل ہے جو اپنی عکس ریزیوں کے توسط سے تمام گوناگوں پہلوؤں کے ساتھ ہر لمحہ کہیں نہ کہیں نہ کیا جارہا ہو عمل ایک سیلابی موج، ایک امنڈتا ہوا بادل اور ایک طوفان بادوآتش ہے جو ساری دنیا پر اس طرح چھا گیا ہو کہ نجات وگریز کا کوئی امکان ہی باقی نہ رہے۔ عمل کو فرضی اور وہمی حقیقت تسلیم کرنے سے زیادہ کوئی حماقت نہیں ہوسکتی۔ عمل کے نقوش حیاتِ انسانی پر ہی نقش نہیں ہوتے بلکہ درودیوار پر بھی نقش ہوجاتے ہیں جیسا کہ ڈاکٹر ڈریپر نے معرکہ مذہب وسائنس میں سائنٹفک تحقیقات پیش کرتے ہوئے بتایا تھا۔ اگر عمل خیالی چیز ہے تو بغیر کشف والہام اور بغیر فکروتدبر کے کہا جاسکتا ہے کہ دنیا بھی ایک خیالی حقیقت ہے اور برکلے نے مبادیاتِ علمِ انسانی میں جن دلائل کے سایہ میں کائنات کو کرشمہائے تخیل ثابت کرنے کی کوشش کی تھی ان کے بغیر بھی صرف عمل کو خیال ووہم کہدینے سے بھی وہ ہی چیز ثابت ہوجائے گی۔

حیرت ہے کہ ایمان پر بھی عمل کو ترجیح دینے والی دنیا خود عمل ہی کو فرضی حقیقت کہنے کی جرأت کرسکے۔ عمل زندہ طاقت ہے اور ہمیشہ زندہ رہیگی۔ انسان ایک ابدی حیات رکھتا ہے لہٰذا اس کا عمل بھی غیر ابدی نہیں ہوسکتا۔ اِس دنیا کی جنت ودوزخ بھی اعمال ہی سے تیار ہوتی ہے اور اُس دنیا کی جنت ودوزخ بھی عمل ہی سے تیار ہوگی۔ شاید آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ ہر عمل کا ایک نتیجہ یا اثر خارج میں محسوس ہوتا ہے اور ایک باطن میں۔ ہم عمل سے دولت وفقر بھی حاصل کرتے ہیں اور لذت والم بھی۔

ایسے ہی یقین کیجئے کہ آپ کے ہر اس عمل کا اثر جو آپ سے سرزد ہوتا ہے اس دنیاوی زندگی پر ہی نہیں پڑتا بلکہ مادی اور مجرد دونوں عوالم اثر پذیر ہوتے اور نتائج کی تخلیق کرتے ہیں۔ یہ انسان کی دماغی کمزوری اور کم آگاہی ہے کہ وہ موثرات عمل کو زندگی کے ایک ہی پہلو کے لئے بامعنی خیال کرتا ہے اگر زندگی باقی رہیگی تو عقل کا تقاضا ہے کہ اعمال کے نتائج سے اس کو مسلسل دوچار ہوتے رہنا چاہئے۔ انسان کا ہر عمل خواہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو اتنا ہی پائندہ۔ اتنا ہی یقینی اور اس ہی نوع کا انقلاب کر سکنے کی استعداد رکھتا ہے۔ جس کی توقع کسی اہم اور غیر معمولی عمل سے قائم کی جا سکے۔ اس ہی بنا پر اسلام صراطِ مستقیم سے معمولی انحراف کی بھی گرفت کرنے کا مطالبہ کرتا ہے خواہ خطِ مستقیم سے قطعاً جدا ہو جانے والا ارادہ اختیار نہ کیا گیا ہو۔ دوسرے اگر کسی معمولی عمل کی طاقت ایک برقی سالمہ کے مساوی فرض کر لی جائے تو کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ ایسے صدہا معمولی اعمال زبردست برقی قوت نہ پیدا کر لیں گے۔

کیا زندگی کی معمولی غلطیاں، لغزشیں اور غیر اہم واقعات بساطِ حیات کو الٹ کر نہیں رکھ دیتے۔ اگر عمل کو کوئی طاقت نہ ہوتی تو ننھے چھوٹے واقعات و اعمال اہم نتائج سے دنیا کو جنت یا دوزخ میں کس طرح تبدیل کر سکتے تھے۔ قوتِ متخیلہ کی خواہ تصویر اتاری جا سکتی ہو جیسا کہ پروفیسر محمود علی کپورتھلہ نے اپنی تصنیف "دین و دانش" میں بعض اہلِ سائنس کے تجربات نقل کئے ہیں یا نہ اتاری جا سکی ہو لیکن شعراء، مصنفین اور ادبِ لطیف کے شاہکاروں میں نوادرِ خیال کی صدہا مثالیں ہی کیا یہ ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں کہ جو خیال ایک مرتبہ انسانی دماغ میں پیدا ہو چکا وہ فضا کی کہربائی لہروں میں جذب ہو کر ہر اس قوتِ متخیلہ کے لئے کشش، بیداری اور احساس پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے جس کا ماحول موانعات سے پاک ہو کر اس کی مقناطیسی طاقت کو اثر اندازی کا موقع دے سکے خواہ دونوں کے درمیان زمانہ کا کتنا ہی تفاوت کیوں نہ ہو۔ ہم ایک خیال کرتے ہیں اور اس ہی لمحہ میں دوسرا شخص ہمارے منہ سے بات لیکر بیان کر دیتا ہے یہ روزانہ کا تجربہ کیا ہے؟ بے معنی یا کسی حقیقت کا ترجمان۔

ہم نیند میں ہیں اور ہر ایجاد و تغیر سے غافل لیکن ہمارے تخیلی احساسات اور شعور و ادراک کا

عالمِ مثال مستقبل میں ہونے والے واقعہ کی ایک مثالی شکل قبول کرتا ہے۔ اگر عمل کوئی مخفی طاقت نہیں تو ایک عدمی حقیقت کا جو وجود پذیر ہونے والی ہے کس طرح ہماری قوتوں پر اثر پڑ گیا۔ سمجھانے کے لئے دو ذاتی تجربات عرض کرتا ہوں۔

جب کوئی میرا دوست یا عزیز مرنے والا ہوتا ہے خواہ بیمار بھی نہ ہو کوئی وبا ایسی پھیلنے والی ہوتی ہے جس میں میرے اعزا کی موت مقدر ہو چکی ہے تو میں خوا... دیکھا کرتا ہوں کہ ایک یا دو دانت ٹوٹ گئے اور سخت رنج و تکلیف ہے۔ جب وبا پھیلـ[1]...ن ہوتی ہے تو کچھ دانتوں کو ٹوٹا ہوا اور باقی کو ہلتا ہوا پاتا ہوں۔ اگر کائنات مادی کے حوادث بقول شاہ ولی اللہ صاحبؒ وجود سے قبل اور وجود کے بعد کسی مستقل عالم کے افراد نہیں ہوتے یا ہر عمل ظہور پذیر ہونے سے پیشتر بھی ایک قوت نہیں ہوتا تو قوائے باطنہ کی اثر پذیری کے کیا معنی؟

وبا، زلزلہ، طوفانِ باد و باراں تو ایسی چیزیں ہیں جن کے اثرات کرۂ ہوائی اور فضا پر ہمارے سامنے رونما ہونے سے چند روز پیشتر بھی اثر انداز ہو سکتے ہیں اور اس لئے اگر پرند، چیونٹیاں، دوسرے حیوانات زلزلہ اور موسم کا احساس کرنے والے نازک آلات یا قوتِ متخیلہ اس کا احساس جذب کرلے تو نہ عمل کی کسی ذاتی قوت کا اندازہ ہو سکتا ہے نہ یہ عام قوانین فطرت سے باہر کوئی حقیقت ہے لیکن وہ معمولی مقامی اور شخصی واقعات جو وقوع پذیر ہونے پر بھی کوئی انقلاب پیدا نہیں کرتے۔ مثلاً کسی عزیز یا دوست کی موت اگر وہ اپنے وجود سے پیشتر فضا کی کہربائی لہروں کے ذریعہ قوتِ متخیلہ پر نقش ہو جائے تو کیا تاویل کی جائے گی۔ یقیناً یا تو فلاسفہ اور صوفیہ کا عالمِ مثال تسلیم کرنا پڑے گا جہاں سے یہ تصویریں قوتِ متخیلہ نے جذب کرلیں یا کوئی دوسرا مستقل عالم فرض کرنا پڑے گا۔

---

[1] ۱۹۳۴ء میں طاعون کی وبا امروہہ میں پھیلی تھی جس میں میرے اعزا کا بھی انتقال ہوا۔ اس کے متعلق مجھے پندرہ بیس روز پہلے بذریعہ خواب علم ہو گیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ میرے تمام دانت اس طرح کمزور ہو چکے ہیں کہ جب بھی ہاتھ لگایا جائے وہ فوراً گر جائے گا اور بعض گوشت کے ساتھ ٹوٹ بھی گئے۔ دندان شکنی کی عمومیت سے میں نے وبا کی تعبیر کی تھی اور اپنے ایک دوست کو بتائی بھی تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا بھی۔ ابوالنظر رضوی۔

یا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہر عمل وجود خارجی سے پہلے بھی کائنات پر اثر اندازی کی استعداد رکھتا ہے خواہ آپ کی عقلِ فلاطونی کے نزدیک ایسا نہ ہو سکتا ہو کیونکہ اگر یہ کوئی مستقل حقیقت نہ ہوتی تو خواب کے ذریعہ جن ہونے والے واقعات کا علم ہوتا ہے اس میں ان نازک پہلوؤں کا ہرگز اس درجہ لحاظ نہیں ہو سکتا تھا جتنا کہ دیکھا جاتا ہے۔

حال ہی میں میری ایک حقیقی پھوپھی کا پچاسی (۸۵) برس کی عمر میں انتقال ہوا ہے ان کی موت سے پندرہ بیس روز پیشتر میں نے خواب دیکھا کہ میرے آگے کے ان دو مصنوعی دانتوں میں سے ایک دانت جو پائیوریا کی عنایت سے تیار کرائے گئے تھے ٹوٹ گیا ہے۔ اگرچہ اس شکستگی سے مجھے تکلیف تو نہیں ہوئی لیکن کوفت سی ضرور ہوئی تھی۔

میں ہمیشہ موت کو شکستگیٔ دنداں کی صورت میں دیکھا کرتا ہوں مگر اس خواب میں اصلی دانتوں کی بجائے مصنوعی دانت شکست ہوا جس سے یہ بتانا مقصود تھا کہ ایسے شخص کی موت ہوگی جس سے میرا جذباتی تعلق مصنوعی اور نمائشی ہے۔ دنیا تو یہ سمجھتی ہے کہ یہ اصلی دانت اور قریبی رشتہ ہے لیکن دل کی گہرائیاں اس محبت سے جس کے ریشے مضغۂ قلب میں پیوست ہوتے ہیں۔ انکار کر رہی ہیں کیونکہ ان کا طرزِ عمل ہمیشہ خود غرضانہ اور اس نوع کا رہا تھا کہ کوئی معصوم سی معصوم فطرت بھی شائد ہی عداوت کے جذبات سے پاک رہ سکتی۔

(باقی آئندہ)

اس کا یہ مطلب نہ لینا چاہئے کہ دانت ہمیشہ موت جیسے حقائق ہی کی ترجمانی کرتا ہے۔ ہر چیز کے مختلف پہلو ہوتے ہیں اور ان تمام پہلوؤں کے لحاظ سے تمثیلی اشکال تیار ہو سکتی ہیں۔ ابو النظر رضوی۔